مثنوی معنوی مولانا روم میں قرآن سے مقتبس تلمیحات

افشین شوکت
صدف نقوی

Abstract:

This article tends to explore the variety of thoughts of Rumi in association with Quranic etymological allusion in his couplets. Rumi alludes within the Quranic perspective onvarious subject matters such as being and unbeing, origin of life from nothingness, man's creation and creation of universe,existence and extinction, moralityandnatureof human beings, religions, faith, prophets' parables, historical events narrated in Quran,commandments of Almighty,nature and roleof truth in ourlives and on many other subjects. Rumi tends to make a very explicit reference to theHoly Quran in authenticating his exemplumswhichmakes a powerful influence on his style of expression.This article is a key attempt to explore the novel persuasiveness and cogency within the pretext of Quranic Allusions, used in his poetry on various subject matters.

رومی دنیائے حکمت کا وہ تابندہ ستارہ ہے جس کی روشنی زمانے کی گردش بھی دھندلا نہیں سکی اور جس کے حکمت افروز فرمودات آج بھی انسانیت کے لیے سبیلِ ہدایت ہیں۔مثنوی معنوی میں مولانا روم نے ایمانی جذبوں کی حرارت کو ہر جگہ برقرار رکھا ہے۔ان کی مثنوی پڑھ کر ایسی مسرت حاصل ہوتی ہے جو قاری کو عشق حقیقی اور عشق مصطفوی کی طرف راغب کر دیتی ہے۔مولانا جلال الدین رومی کا خمیر بنیادی بطور پر شعر سے نہیں بلکہ علم و معرفت سے اٹھایا گیا تھا جس میں فیضانِ تبریز بھی شامل تھا۔یہی وجہ ہے کہ مولانا کی فکر کا صل سر چشمہ معدنِ شعر و سخن نہیں بلکہ قرآن و حدیث ہیں جو تمام علومِ ارضی و سماوی کا منبع و مخرج اور کمال بالذات کا منتہا ہیں۔مولانا نے اپنی شاعری کے بنیادی مقاصد کی طرف خود اپنے ایک شعر میں واضح انداز میں اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے:

من ز قراں مغز برداشتم
استخواں پیشِ سگاں انداختم (۱)

یعنی مولانا روم کا یہ کہنا کہ میں نے قرآن سے مغز اٹھا لیا ہے اور ہڈیاں کتوں کے سامنے ڈال دی ہیں، بادی النظر میں عجیب محسوس ہوتا ہے لیکن جب اس کے مطالب و مفاہیم پر غور تے ہیں تو حقیقتِ شعر کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مولانا نے اپنے کلام کو تعلیماتِ قرآنی کا نچوڑ بنا کر پیش کر دیا ہے جبکہ اس میں عام شعرا کی شاعری کی طرح حظ اٹھانے والے لوگوں کے لیے سامانِ تسکین نہیں ہے بلکہ ایسا کلام ہے جو حکمتِ قرآنی، ارشاداتِ ربانی اور احادیث کے حسن المعانی کا مخزن ہے۔ مثنوی معنوی مولانا روم میں حکایات و واقعات کے بیان میں اور حکمت سے معمور اشعار میں قرآنی آیات کو تلمیحات کی سطح پر استعمال کیا گیا ہے۔ بعض اشعار میں پوری پوری آیاتِ قرآنی آئی ہیں اور بعض اشعار میں آیات کے ٹکڑے یا محض ایک دو الفاظ تلمیح کے طور پر استعمال ہوئے ہیں جن کی وجہ سے شعر کی معنویت اور اس کے معنوی عمق میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ مولانا اپنے دعوے کے استدلال میں قرآنی تلمیحات اشعار میں یوں جوڑتے ہیں کہ اس سے شعر انتہائی فصیح و بلیغ ہو جاتا ہے۔

یہ قرآنی تلمیحات مثنوی معنوی میں مختلف موضوعاتِ شعر پر محیط ہیں جن کا فرداً فرداً موضوعات کی مناسبت سے فکری و فنی جائزہ پیش کرنا قرینِ انصاف ہوگا۔ رومی نے ان قرآنی تلمیحات کو وسیع تر معنوں میں تخلیقِ کائنات، ہستیِ مطلق کی تفہیم، صفاتِ باری تعالیٰ کے اثبات، رسالتِ مآب و تخلیقِ بشر، جنت و دوزخ، سزا و جزا، خیر و شر، عظمتِ انسان، اساطیر الاولین، قصص انبیاؑ و صالحین، واقعاتِ قرآنی، عدلِ الٰہی، احکاماتِ الٰہی، امورِ شرع، شعائر اللہ، فضیلتِ انبیاء و رُسل، فضائلِ مصطفیٰ، شمائل و خصائل مجتبیٰ، فرموداتِ اشرف الانبیاء، رُشد و ہدایت، قصۂ خرد و عشق، تصوف، منازلِ سلوک، وجدان، کشف، کشف الاسرارِ باطنیہ، اخلاقِ حسنہ، توحید، توحید کی مابعد الطبیعاتی تشریحات، کائنات و فیہا مافیہ، فلسفہ وحدت الوجود، شہود و موجود، قضا و قدر، سلاسلِ روحانی، اسفارِ وجدانی اور رموزِ آسمانی کے موضوعات کے بیان میں استعمال کیا ہے۔

قصص انبیاء کے بیان میں رومی نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آنے والے اُس واقعے کے بیان کے ضمن میں قرآنی تلمیحات کو اشعار میں برتا ہے کہ جب ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ مجھے دکھا کہ تو کیسے اپنی قدرت کاملہ سے مردوں کو زندہ کرتا ہے اور ابراہیمؑ کو حکم ہوا:

تفسیرِ فخذ اربع من الطیرِ فصُرھنّ الیک
چار وصف ست ایں بشر را دل فشار(۲)

چار پرندے بطخ، مرغ، مور اور کوا تھے۔ مولانا روم نے ان چار پرندوں کے باطنی معنی مثنوی میں بیان کرتے ہوئے کہا کہ ان چار پرندوں سے چار رذائل مراد ہیں جن پر انسان کو قابو کرنا ہے۔ بطخ سے مراد حرص، کوے سے تمنا، مور سے حبِ جاہ اور مرغ سے مراد شہوت ہے۔ جسے بھی خلیل اللہ کی طرح حقیقت بین اور کشافِ اسرارِ الٰہی بننا ہے تو اسے ان چار رذائل کو مٹانا ہوگا۔ اسی طرح قصص انبیاء میں سے حضرتِ عیسیٰؑ کی قوم کا وہ واقعہ جسے قرآن

میں سورۃ المائدہ میں من وسلویٰ کے اتارے جانے کی تمنا کے باب میں بیان کیا گیا ہے،بھی مثنوی مولانا روم میں تلمیحاتی سطح پر ملتا ہے:

باز عیسیٰ چوں شفاعت کرد حق
خواں فرستاد و غنیمت بر طبق
مائدہ از آسماں شد عائدہ
چونکہ گفت انزل علینا مائدہ(۳)

قوم نصاریٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام سے فرمائش کی تھی کہ بنی اسرائیل کی طرح ہم پر بھی آسمان سے من وسلویٰ اتارا جائے جس پر عیسیٰؑ نے دعا مانگی۔ اس تلمیح کا جو مولانا نے شعر میں استعمال کی ہے قرآنی پس منظر یوں ہے:

قَالَ عِیسَی ابنُ مَریَمَ اللّٰھُمَّ رَبَّنَا انزِل عَلَینَا مَائِدَۃً مِّنَ السَّمَاءِ تَکُونُ لَنَا عِیدًا الِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰیَۃً مِّنکَ وَارزُقنَا وَاَنتَ خَیرُ الرَّازِقِینَ (۴)

یعنی مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا اے اللہ ہمارے رب! ہم پر بھرا ہوا خوان آسمان سے اتار جو ہمارے پہلوں اور پچھلوں کے لیے عید ہو اور تیری طرف سے ایک نشانی ہو، اور ہمیں رزق دے اور تو ہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔'' حواریوں نے جب حضرت عیسیٰ عَلَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کے فرمان کے مطابق عمل کیا تو حضرت عیسیٰ عَلَیہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے بارگاہِ الٰہی عَزَّ وَجَلَّ میں عرض کی۔ جس کے جواب میں باری تعالیٰ نے کہا کہ خوانِ نعمت اتارے دیتا ہوں لیکن اس کے بعد بھی کسی نے نافرمانی کی تو ایسا عذاب نازل کروں گا کہ تم سے پہلے جو کسی پر نہ آیا ہوگا۔

قصص انبیاء کے سلسلے میں مثنوی مولانا روم میں بعض اوقات اشارتاً قرآن کا محض ایک لفظ لایا جاتا ہے جس سے رومی پورے واقعاتی تناظر کو سامنے لاتے ہیں۔ یہ معیارِ فصاحت و بلاغت ہے جو مثنوی معنوی کے ساتھ مخصوص ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر یونس؟ کے مچھلی کے پیٹ میں رہنے کے واقعے کی طرف دیکھئے کس بلیغ انداز میں ''یبعثون'' کی تلمیح کو بروئے کار لایا گیا ہے:

گر نبودِ او مسبح بطن نون
حبس و زندانش بدے تا یُبعَثُون(۵)

یعنی اگر وہ تسبیح وتہلیل نہ کرتے تو مچھلی کا پیٹ تا قیامت ان کے لیے قید زندان بن جاتا اور انھیں وہیں رہنا پڑتا۔ ''یبعثون'' کی تلمیح ''فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الیٰ یوم یبعثون'' کے واقعے کو کھولتی ہے یہاں تک یونس؟ اور اس کی توبہ کرتی قوم اور یونس کی نجات کے متعلق ہے۔

گفت ولیبکو اکثیراً گوش دار
تا بریزد شیر فضلِ کرد گار(۶)

مولانا روم نے جس آیتِ قرآنی کو جزوی طور پر اس شعر میں استعمال کیا ہے،اس آیت میں دراصل باری تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ دنیا کے محفلیں اور یہاں کی چہل پہل انتہائی عارضی ہے۔انسان اورانسان کی کائنات فنا سے عبارت ہےاورزیادہ ہنسنے والوں کے لیے وعیداورتنبیہہ ہے کہ:

''فَلْیَضْحَکُوا قَلِیلاً وَلْیَبْکُوا کَثِیرً اجَزَاءً بِمَا کَانُوا یَکْسِبُونَ''(۷)

یعنی انھیں چاہیے کہ وہ کم ہنسیں اور زیادہ روئیں اس پر جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔گویا اپنے کیے پر پچھتانا،اعترافِ گناہ کر کے خودکو عاجز ظاہر کرنا ہے تا کہ رحمتِ ایزدی متوجہ ہو۔

مولانا نے بعض آیتِ قرآنی کو جہاں اپنے اشعار میں تلمیح کے طور پر استعمال کیا ہے،ان کے وضعِ معانی میں اجتہاد سے کام لیا ہے۔مثال کے طور پر مشہور آیتِ ''واقرضوااللہ قرضاً حسنا'' یعنی اللہ کوقرض حسنہ دوکوعمومی معانی کے برعکس ''اللہ کے راستے میں بدن کوگھٹانے'' کے ضمن میں آیت مراد لی ہے۔اپنے اشعار میں کہتے ہیں کہ جسم کا موٹاپا جسم کا پت جھڑ ہےاورجسم کوگھٹانا اور پت جھڑکو بڑھانا چاہیے تا کہ تم اللہ کواس جسم کی توانائی میں سے قرض دواور بدلے میں تمھاری روح شاداب ہوجائے:

برگِ تن بے برگی جا نست زود
ایں بباید کاستن آں را فزود
اقرضو اللہ قرض دہ زیں برگِ تن
تا بروید درعوض در دل چمن(۸)

مولانا کے ہاں آیاتِ قرآنی کے اکثر اوقات اجتہادی معنی ملتے ہیں۔ان کے ہاں المعانی مافی بطن الشاعر کے بجائے اجتہاد فی المعانی موجود ہے۔اسی وجہ سے ان کی تلمیحات بھی منفرد معنویت کی حامل ہوتی ہیں۔کائنات و مافیہا کے عدم سے وجود میں لائے جانے اور پھرایک شئے کی ضد میں سے دوسری شئے کو برآمد کرنا اور مردہ میں سے زندہ اورزندہ میں سے مردہ کو پیدا کرنا کسی عظیم خالق کی خلاقیت کی نشانی ہے۔قرآن کے اس نظریے کی طرف مولانا روم نے ''یخرج الحی من المیت'' کی تلمیح کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے:

در عم ہستی برادر چوں بُود
ضد اندر ضد چوں مکنوں بُود
یخرج الحی من المیت بداں
کہ عدم آمد امیدِ عابداں(۹)

(ہست یعنی حیات اپنے اندر یوں موجود ہے جیسے ایک شئے کی ضد،ضد میں مخفی ہوتی ہے اور مردہ میں سے زندہ کو نکالنا عدم میں خالق کی خلاقیت کی نشانی ہے۔) کائنات وما فیہا اور اشیاء کے کن فیکون ہونے کی طرح مولانا روم نے روح کی تفہیم کے متعلق بھی قرآنی نظائر کی طرف رجوع کیا ہے۔ وہ روح کے تقدم کے قائل نہیں ہیں۔روح ازلی نہیں ہے اور صرف حیوانات تک ہی محدود نہیں بلکہ روح منازل اور مراتب کی حامل ہوتی ہے۔ پھر اجساد کو تغیر و تبدل سے تعبیر کرتے ہوئے قرآن کا حوالہ دیتے ہیں کہ بقا صرف ربِ لم یزال کو ہے۔جبکہ انسان مختلف اشکال سے گزر کر نفس مطمئنہ کے اس درجے پر پہنچتا ہے جہاں اسے اپنے رب کی طرف لوٹنا ہوتا ہے اور رومی کہتے ہیں کہ رب کی طرف لوٹنے والا عدم میں ہوتا ہے اور اس پر فنا کا اثر نہیں ہوتا۔اس فکر کو انھوں نے دو قرآنی تلمیحات کے پس منظر میں یوں بیان کیا ہے:

از جمادی مردم و نامی شدم
وز نما مردم بحیوان سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم
پس چہ ترسم کی زمردن کم شدن
جملہ دیگر بمیرم از بشر
تا بر ارم از ملائک بال و پر
وز ملک ہم باید م جستن زجو
کُلُّ شَیٍٔ ھَالِکٌ اِلَّا وَجھہٗ
باز دیگر از ملک پران شوم
آنچہ اندر وھم نا ید شوم
پس عدم گردم عدم چو ارغنون گویدم کانا الیہ راجعون(۰۱)

(میں پہلے جماد یعنی پتھر تھا پھر ترقی کرکے نبات ہو گیا اور فنا ہوا اور پھر ترقی کرکے حیوان کی صورت نمودار ہوا۔اس کے بعد میری حیوانیت بھی فنا ہوئی اور میں نے ترقی کرکے انسانی صفات کو پالیا۔ مجھے فنا کا خوف نہیں کیونکہ فنا سے مجھ میں کوئی کمی واقع نہیں ہو سکتی۔حیات مادی کے بعد فنا سے بشریت معدوم ہو کر مجھے مثل ملائک بال و پر دیے جاتے ہیں اور عالمِ ملکوت میں اس مقام پر پہنچتا ہوں جہاں وہم و قیاس کا گزر نہیں کیونکہ ا ؟ خرِ کار میں عدم ہو جاتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے، میرا ورد ہو جاتا ہے)۔کائنات میں انسان کے ارتقا اور زمین پر خلافت کے مرتبے سے ہمکنار کیے جانے کے پیچھے قدرت کے جن مقاصد کی شرح وقتاً فوقتاً حکمائے علم کرتے آئے ہیں، اُس کو رومی

نے قرآنی تلمیحات کے ضمن میں بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ انسان کی زندگی کا منتہائے مقصود دراصل اپنے خالق کی پہچان اور اس کی عبادت ہے۔ انسان صاحبِ اختیار ہے اور خداوند کے سامنے مسئول علیہ ہے۔ اس کا مقصدِ حیات بندگی ہے:

آدمی را ہست در ہر کار دست
لیک از و مقصود ایں خدمت بدست
ما خلقتُ الجنَّ والانس ایں بخواں
جز عبادت نیست مقود از جہاں(۱۱)

(انسان ہر کام پر دسترس رکھتا ہے لیکن اس کا اصلِ حیات عبادت ہے۔ ''انس و جن کو عبادت کے لیے پیدا کیا گیا'' کو پڑھ کہ عبادت کے علاوہ دنیا میں تیرا کوئی اور مقصد نہیں) مولانا اسی تسلسل میں عبادت کرنے والوں کے خصائل اور ان کی جبلتوں کی بنیاد پر ان کے دو گروہ بناتے ہیں۔

ایک وہ ہیں کہ جو شریف النفس ہیں اور عزت و تکریم کے ساتھ ہر حال میں بندگی کرتے ہیں جبکہ دوسرے وہ رذیل صفت ہیں جو محض مشکل وقت میں عبادت کرتے ہیں۔ اس کے لیے دو تلمیحاتِ قرآنی ''اکرمۃ'' اور ''استقمۃ'' کو بروئے کار لایا گیا ہے۔ اول الذکر ولی ہیں اور ان کی مثال اُس ''شجرِ موسیٰ'' کی سی ہے جس پر بظاہر آگ ہے لیکن اصل میں نورِ الٰہی کا محور ہے۔ اس کے لیے بھی قرآنی تلمیح ہے:

او درخت ِ مُوسیٰ ست و پُر ضیا
نور خواں نارش مخواں بارے بیا (۱۲)

(ولی کو حضرت مُوسیٰ کا درخت سمجھو جس پر بظاہر آگ تھی لیکن وہ دراصل نور تھا) مثنوی معنوی میں قرآنی تلمیحات ہمہ قسم کے موضوعات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔ ان موضوعات میں سے ایک موضوع سورۃ العنکبوت میں بیان کیا گیا انسان کا کبر و نخوت بھی ہے جسے رومی نے انسان کو اپنی اوقات یاد دلانے کے لیے یوں اپنے شعر میں باندھا ہے:

کبر زشت و از گدایاں زشت تر
روز ِ سرد و برف و انگہ جامہ تر
چند آخر دعویٰ و باد ِ بروت
اے ترا خانہ چو بیتُ العنکبُوت(۱۳)

(تکبر بُرا ہے اور مفلسوں کے لیے اور زیادہ بُرا ہے۔ ٹھنڈا دن، برف اور کپڑے تیرے بھیگے ہوئے ہیں کہ تو کس بل بوتے پر مونچھوں کو تاؤ دیتا ہے۔ تیرا گھر مکڑی کے جالے کے مانند بے بنیاد ہے۔) اس مضمون کو قرآن

نے بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کی مثال جو خدا کے سوا دوسروں کو اپنا کارساز بناتے ہیں، اُس مکڑی کی سی ہے جو جالے سے بنے گھر کو مضبوط جانتی ہے حالانکہ سب سے کمزور گھر یہی ہے۔ کاش کہ وہ جان لیتے تو اس امر سے باز رہتے۔ توحید کے برعکس شرک کی وجہ سے انسان میں پیدا ہونے والی برائیوں کو جہاں موضوع بنایا گیا ہے وہاں مولانا نے قرآنی پس منظر میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ غیر اللہ کے پیر کارشدید ذلالت میں ہیں۔ اسی طرح دیگر رذائلِ اخلاق میں سے قول و فعل میں تضاد کے متعلق بھی مثنوی معنوی میں قرآنی تلمیحات لائی گئی ہیں۔ ایسی صورت میں قرآن کی بعض آیت کی طرف حکایت میں متکلم کا کردار اشارہ کر کے یاد دہانی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ اکثر و بیشتر حکایات کی ابتدا کسی اخلاقی مسئلے کو موضوع بناتے ہوئے ہوتی ہے اور اس پر قرآن سے بعد ازاں استدلال کیا جاتا ہے۔ استدلال کا طریقہ کار کچھ یوں ہے کہ مثنوی کے اشعار میں یا تو پوری قرآنی آیت لائی جاتی ہے یا پھر آیت کا محض ایک ٹکڑا شامل کر کے پورے قرآنی واقعے کا ابلاغ ممکن بنایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر منافقت سے اجتناب کے باب میں ایمان والوں کو جب یہ وعید سنائی گئی کہ وہ نہ کرو جو تم خود کرتے نہیں ہو:

نصیحت کردنِ زن شوہر را کہ سخن افزوں از قدم
و مقام خود مگو کہ لم تقولون ما لا تفعلون(۱۴)

(بیوی کا شوہر کو نصیحت کرنا باعث خیر ہے کہ اپنی بساط اور مقام سے بڑھ کر بات نہ کر کیوں کہ یہ فرمایا گیا ہے کہ جو تم نہیں کرتے وہ کہتے کیوں ہو)۔ مثنوی معنوی مولانا روم کے تمام دفاتر میں اخلاقی مسائل اور عقائد و نظریات کے حوالے سے قرآن سے مقتبس تلمیحات کا پرزور استعمال کیا گیا ہے۔ مولانا روم کی بنیادی فکر کا استخراج قرآن و حدیث ہی سے ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنے کلام میں جا بجا تقریباً ہر موضوع پر قرآنی آیات سے رجوع کرتے ہیں اور تمام دفاترِ مثنوی میں قرآنی آیات یا پھر محض ایک دو الفاظ کو تلمیحات کی صورت میں استعمال کر کے مثنوی میں معنویت کی گہرائی اور گیرائی پیدا کرتے ہیں۔ گویا رومی کی قرآنی تلمیحات ان کے تبحرِ علمی کی نشاندہی کرتی ہیں۔ محاسنِ اخلاق، عقائد، تہذیب و تمدن، فطرتِ انسانی، انسانی نفسیات کی تفہیم، روح اور اس کی حقیقت، تخلیقِ کائنات وانس و جن، مقصدِ حیاتِ انسانی، حیات بعد الموت، سزو جزا، حشرِ اجساد، تصوف اور اس کی منازل، علم الکلام اور دیگر تمام امور جو انسان اور اس کے خالق سے علاقہ رکھتے ہیں، مولانا نے قرآنی تلمیحات کے تناظر میں مثنوی معنوی میں بدرجہ اتم کمال کے ساتھ بیان کر دیے ہیں۔ قرآن سے مقتبس تلمیحات کا یہ دائرہ رومی کے ہاں بہت ہی زیادہ وسیع اور وقیع ہے۔

حواشی

۱۔ جلال الدین رومی،مولانا، مثنوی معنوی (دفتر پنجم)،(لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء)ص۱۰۹
۲۔ ایضاً،ص۱۸
۳۔ جلال الدین رومی،مولانا، مثنوی معنوی (دفتر اول)،(لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء)ص۵۰
۳۔ القرآن الحکیم:المائدہ۱۱۴
۵۔ جلال الدین رومی،مولانا،مثنوی معنوی (دفتر اول)،(لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء) ص۳۱۴
۶۔ جلال الدین رومی،مولانا،مثنوی معنوی (دفتر پنجم)،(لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء)ص۲۷
۷۔ القرآن الحکیم:التوبہ:۲۸
۸۔ جلال الدین رومی،مولانا،مثنوی معنوی (دفتر پنجم)،(لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء)ص۲۷
۹۔ ایضاً،ص۱۰۹
۱۰۔ جلال الدین رومی،مولانا،مثنوی معنوی (دفتر سوم)،(لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء)ص۱۳
۱۱۔ ایضاً،ص۳۰۳
۱۲۔ ایضاً،ص۴۳۷
۱۳۔ جلال الدین رومی،مولانا،مثنوی معنوی (دفتر اول)،(لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء) ص۲۷۱
۱۴۔ ایضاً،ص۲۷۰

مآخذ

۱۔ القرآن الحکیم
۲۔ جلال الدین رومی،مولانا،مثنوی معنوی (دفتر اول)لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء
۳۔ جلال الدین رومی،مولانا،مثنوی معنوی (دفتر سوم)،لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء
۴۔ جلال الدین رومی،مولانا، مثنوی معنوی (دفتر پنجم)،لاہور:الفیصل ناشران،۲۰۰۴ء